© rasailojaraid.com

مولوی معین الدین عرف شاہ اجمیری

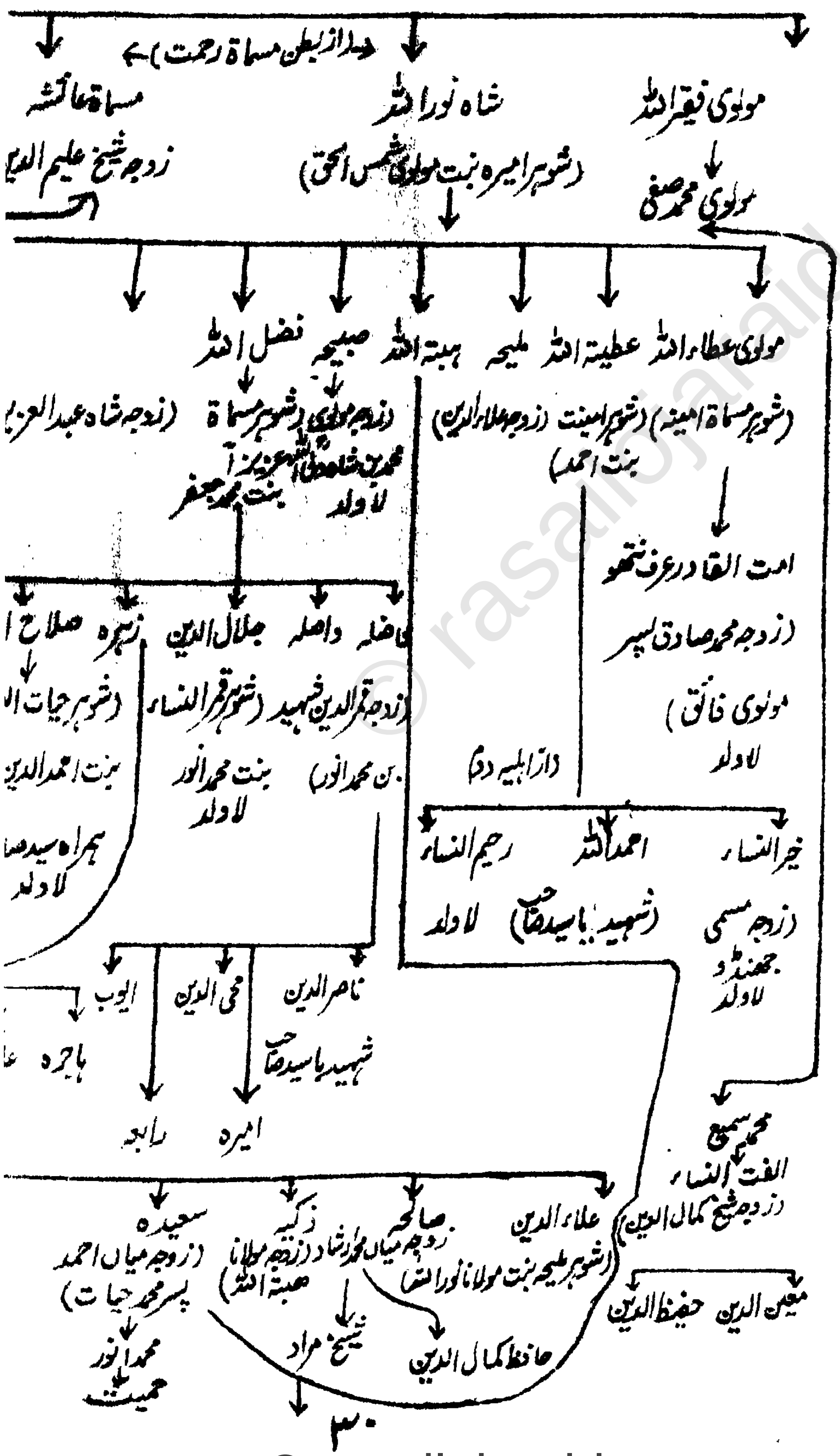

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

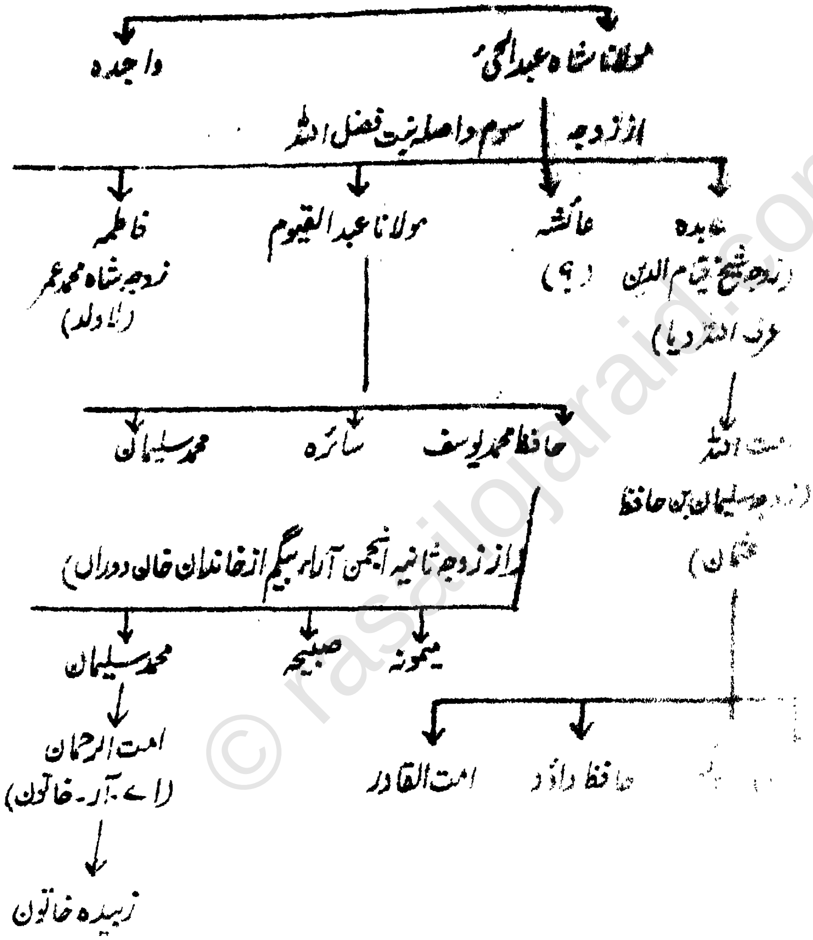

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکستان، جنوبی افریقہ اور پھر پاکستان

(۳)

سعید احمد اکبر آبادی

ہاں تو بات چل رہی تھی کانفرنس کے افتتاحی اجلاس کے بعد کافی یا چائے کے وقفہ کی، اس موقعہ پر صدر ضیاء الحق سے ملاقات سے پہلے اور اس کے بعد اتنے دوستوں اور چشم آشناؤں سے ملاقات ہوئی کہ نہ اُن سب کے نام محفوظ ہیں اور نہ اُن کے اتے پتے، البتہ چند خاص نام یہ ہیں :-

مولوی تنزیل الرحمٰن صاحب | مشہور ایڈووکیٹ ہیں اور غالباً کسی زمانہ میں ایڈووکیٹ جنرل بھی رہ چکے ہیں، اسلامی فقہ کی تدوین جدید پر پانچ ضخیم جلدوں میں ان کا کام ان کا عظیم کارنامہ ہے، برصغیر میں اس کی نظیر نہیں ملتی، آج کل عدالت شرعیہ کے چیرمین ہیں اور درحقیقت وہ اس کے مستحق تھے بھی، مگر اس کے باوجود علماء کے ایک طبقہ کو اعتراض ہے کہ باقاعدہ عالم نہیں ہیں، سوال یہ ہے کہ باقاعدہ عالم ہونے کا معیار کیا ہے۔؟ کیا صرف مصلّی نما دہ طویل وعریض سند جو کسی مدرسہ کے فارغ التحصیل کو ملتی ہے؟ اگر یہی ہے تو آپ ان ہزاروں اکابر علم وادب کے متعلق کیا فرمائیں گے جنھوں نے تعلیم پرائیوٹ افراد واشخاص سے حاصل کی ہے اور کسی اصطلاحی مدرسہ کی سند ان کے پاس نہیں ہے، کیا کوئی اہم علمی وتصنیفی کارنامہ مصنف کو "مستند ومعتبر عالم" کہلانے کے لیے کافی نہیں ہے؟ موصوف سے میرا عزیزانہ اور مخلصانہ تعلق ۱۹۶۹ء سے ہے جبکہ میں پہلی مرتبہ پاکستان گیا تھا اور ان کی کتاب مجموعۂ قوانین اسلام (برہان میں اس کی متعدد جلدوں پر تبصرہ شائع ہو چکا ہے)، کی پہلی جلد طبع ہو کر منظر عام پر آچکی تھی، اسی زمانہ میں انھوں نے ایک مرتبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہا تھا کہ جب وہ اسے لے کر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کتاب پیش کی تو حضرت مفتی صاحب نے یک گونہ انقباض کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: یہ کام تو کسی عالم کے کرنے کا تھا، آپ کے بس کا نہیں ہے اور آپ کو اس میں دخل بھی نہیں دینا چاہیے۔ لیکن جب مفتی صاحب نے پوری کتاب از اول تا آخر پڑھ ڈالی تو ان کی رائے بدل گئی اور کتاب اور اس کے مصنف کی بہت تعریف کی۔ انھوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں وہ مولانا محمد یوسف بنوری سے برابر استفادہ کرتے رہے ہیں، خیر! اب اُن سے یہاں آمنا سامنا ہوا تو اگرچہ لوگوں میں گھرے ہوئے جلدی میں تھے، مجھ پر نظر پڑتے ہی حسب معمول کھلے منہ سے مسکراتے انداز سے "اخاہ" کہتے ہوئے آگے بڑھے، معانقہ و مصافحہ کیا، میں نے ان کو عدالت شرعیہ کے چیرمین ہونے پر مبارک باد دی، انھوں نے فرمایا: شرعی کونسل کے لیے جتنے ارکان میں نے مانگے تھے اور اس کے لیے اخراجات کا جو تخمینہ میں نے پیش کیا تھا وہ سب صدر ضیاء الحق نے منظور کر لیا ہے، مگر سخت افسوس اس بات کا ہے کہ یہاں صحیح اور اہل آدمی کمیاب ہیں، اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ پاکستان آجائیے اور شرعی کونسل کی رکنیت قبول کر لیجیے۔ اس کی حیثیت عرفی اور مشاہرہ وہی ہے جو ایک یونیورسٹی پروفیسر کا ہے۔ میاں اسلم میرے ساتھ تھے، پھر ان سے مخاطب ہو کر بولے: مولانا کو یہاں ضرور بلوا لیجیے، ہمیں ان کی بڑی ضرورت ہے کیونکہ عالم تو اور بھی ہیں، مولانا کو اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ بصیرت بھی دی ہے، میں نے مولوی تنزیل الرحمٰن صاحب کی محبت اور ان کے حسن نظر کا شکریہ ادا کیا اور آگے بڑھ گیا۔

حکیم محمد سعید: حکیم صاحب آج کل مرکزی وزیر صحت ہیں، لیکن درحقیقت ان کا مرتبہ و مقام اس سے بہت بلند ہے، حکیم صاحب اور ان کے خاندان سے کم و بیش چالیس برس سے عزیزانہ تعلق ہے، حکیم محمد سعید نے پاکستان میں اور ان کے بڑے بھائی حکیم حاجی عبدالحمید نے بھارت میں ایک غیر معمولی اور ناقابلِ ذکر حالت سے نہایت عظیم الشان ترقی کر کے اور شہرت و ناموری حاصل کر کے ایک قابلِ تقلید مثال قائم کی ہے۔ ایک دورِ زوال و انحطاط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ے گذرنے کے بعد آج اگر رضغیر میں، بلکہ اس سے باہر بھی طب یونانی ایلوپیتھک کے ساتھ چشمک زنی کر رہی ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ دوسرے اسباب کے علاوہ اس میں ان دونوں بھائیوں کی غیر معمولی مخلصانہ جدوجہد اور محنت وریاضت کو بھی بڑا دخل ہے۔ ہمدرد کا شمار ملک کے خوشحال اور متمول ترین اداروں میں ہوتا ہے، لیکن یہاں اور وہاں دونوں جگہ ہمدرد وقف ہے اور اس کی آمدنی کا بہت بڑا حصہ عظیم الشان تعلیمی، فنی، اسلامی اور فلاح عام کے کاموں پر خرچ ہو رہا ہے، اور خود دونوں بھائیوں کی نہایت سادہ اور درویشانہ زندگی کا یہ عالم ہے کہ حیرت ہوتی ہے، نہ پان نہ سگریٹ نہ حقہ، نہ کلب نہ سینما، اور نہ کوئی اور کھیل تماشہ، کپڑے سادہ، کھانا صرف ایک وقت یعنی شب میں اور وہ بھی ہلکا پھلکا سا، صبح کو بہت معمولی سا ناشتہ اور پھر دن بھر کچھ نہیں[۱] محنت اور جفاکشی کا یہ حال ہے کہ شب میں چند گھنٹے استراحت اور خواب کے علاوہ دن اور رات کا ایک منٹ خالی نہیں، ہر وقت مصروف! لوگ اسمگلنگ کرتے ہیں، ناجائز ذرائع آمدنی رکھتے ہیں، عرب ملکوں میں زرِ سیال کا جو دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے اس میں شناوری کرتے ہیں اور کروڑپتی بن جاتے ہیں لیکن حکیم برادران نے یہ ثابت کر دکھایا کہ اگر محنت، خلوص، دیانت، بیدار مغزی اور دل کی لگن کے ساتھ کوئی کام کیا جائے تو ایک آدمی کیا کچھ نہیں کر سکتا، مسلمان نوجوان جو عام طور

---

[۱] ایک مرتبہ میں نے حکیم محمد سعید صاحب سے پوچھا: آپ دونوں بھائیوں کو یہ کم خوری اور ایک وقت کھانے کی عادت کب سے ہوئی ہے؟" بولے: ایک عرصہ کی بات ہے جب ہم نے کاروبار شروع کیا ہی تھا ہم کو صبح سویرے سے شام گئے تک مسلسل سخت محنت کرنی ہوتی تھی اور دوپہر کا کھانا کھانے سے چونکہ طبیعت بوجھل ہو جاتی تھی اس لیے ہم دونوں بھائیوں نے عہد کیا کہ بس ایک وقت یعنی رات کو کھانا کھائیں گے"۔ اب عادت ہو گئی ہے اس لیے ہم اسی پر قائم ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے یقینی کا شکار ہیں اور ایک اعلیٰ ملازمت کو ہی زندگی کی معراج سمجھتے ہیں ان کے لیے اس میں بہت کچھ عبرت پذیری و سبق آموزی کا سامان موجود ہے۔

دونوں بھائیوں کی علمی اور سماجی خدمات کی فہرست طویل ہے لیکن سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ فنِ طب جس کا نام و نشان مٹ چلا تھا اور جس پر ایک عام اعتراض یہ تھا کہ یہ اَن سائنٹفک طریقۂ علاج ہے، دونوں بھائیوں نے علمی اور عملی اعتبار سے اسے آج اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ ایلوپیتھک سے چشمک زنی کر رہی ہے اور پہلے جو فن برصغیر میں محدود تھا آج اس کا آوازہ امریکہ اور روس تک میں سنا جاتا ہے'

حکیم محمد سعید صاحب سے ملاقات کانفرنس کے افتتاح سے قبل ہی نیشنل اسمبلی ہال میں داخل ہوتے ہی ہوگئی تھی۔ حسب معمول بڑے تپاک اور جوش سے مسکراتے ہوئے ملے اور بغلگیر ہوگئے، پھر فرمایا: "آپ اپنا مقالہ پڑھیں گے تو کل، مگر میں اسے پڑھ کر مستفید ہو چکا ہوں" میں نے عرض کیا: شکریہ! مقالہ کیا، بس یوں کہیے کہ خانہ پری کی ہے' ورنہ سچی بات یہ ہے کہ اہلیہ کی علالت اور پھر وفات کے باعث اُن دنوں میں جس درد و کرب میں مبتلا تھا اس کے باعث جیسا میں چاہتا تھا ویسا نہیں لکھا جا سکا، جنوبی افریقہ سے واپسی پر ستمبر میں پھر اُن سے کراچی میں ملاقات ہوئی تو فرمایا: برہان میں مولوی شہاب الدین صاحب ندوی کا مقالہ "تسخیر اشیا اور نعم الہیہ" بڑا اچھا نکل رہا ہے' میں اس کا انگریزی ترجمہ چھاپنا چاہتا ہوں' میں نے کہا: بڑے شوق سے' برہان آپ کا ہی پرچہ ہے' میں نے اس وقت تک اس مضمون کو پڑھا نہیں تھا۔ ایک طویل غیر ملکی سفر سے واپس آکر اس مضمون کی سب قسطیں پڑھیں تو دیکھا کہ مضمون بڑا معرکۃ الآرا اور فکر انگیز ہے' چنانچہ بعض بلند پایہ فاضلان سائنس نے بھی اس کی تعریف کی ہے۔

پروفیسر سعید الدین احمد ڈار پہلے وزارتِ خارجہ میں تھے' اب چند برس سے خیبر یونیورسٹی اسلام آباد میں "شعبۂ بین الاقوامی روابط" کے صدر اور پروفیسر ہیں، میاں اسلم کے بچپن کے ساتھی اور دوست اور ہم مزاج و ہم طبیعت ہیں' اس لیے ان کے ساتھ میرا تعلق عزیزانہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قدیم ہے، اس تعلق کا آغاز کس طرح ہوا؟ اس کی داستان بڑی دلچسپ ہے، آپ بھی سنیے! جب میں کلکتہ میں تھا تو ایک مرتبہ (غالباً ۱۹۴۸ء میں) پنجاب یونیورسٹی لاہور کے وائس چانسلر نے مجھ کو بحیثیت پرنسپل کلکتہ مدرسہ کے خط لکھا کہ ہماری یونیورسٹی کے تاریخ کے دو طالب علم تاریخی مقامات دیکھنے کی غرض سے کلکتہ جا رہے ہیں، اگر آپ اپنے مدرسہ کے ایسٹ ہاسٹل میں ان کے قیام کا انتظام کر دیں تو میں بڑا شکر گزار ہوں گا" میں نے فوراً جواب دیا: "میں ہر قسم کے انتظامات کر دوں گا، آپ مطمئن رہیں اور بے خوف و خطر ان کو بھیج دیں" اس جواب کے چند روز بعد ایک دن میں دفتر میں تھا کہ دو نوجوان اندر داخل ہوئے، قبول صورت، خوش منظر و خوب شمائل۔ تندرست و توانا۔ موزوں قد و قامت اور انگریزی لباس میں ملبوس۔ انھوں نے تعارف کرایا۔ تو معلوم ہوا کہ یہی وہ دو نوجوان ہیں جن کو لاہور سے آنا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام محمد اسلم تھا اور دوسرے سعید الدین احمد ڈار تھے، میں نے گرمجوشی سے ان کو خوش آمدید کرتے ہوئے کہا: میں نے آپ کے قیام کا انتظام ہوسٹل میں کر دیا ہے، لیکن کھانا اور ناشتہ آپ میرے ساتھ کریں گے، انھوں نے شکریہ ادا کیا مگر کہا کہ ان کے قیام کا انتظام کسی اور جگہ ہو گیا ہے اور وہ اس سے مطمئن ہیں؛ اس پر میں نے ان کو طعام شب پر مدعو کیا۔

شب میں یہ کھانے پر آئے تو ڈنر سے پہلے، ڈنر پر اور اس کے بعد برابر گفتگو کرتے رہے، لیکن یہ گفتگو سر تا سر علمی تھی، اس درمیان میں انھوں نے مجھ سے جو سوالات کیے اور میں نے ان کے جوابات دیے وہ بھی بالکل علمی اور اسلامیات سے متعلق تھے، میں واقعی ان دونوں کے ذوق علمی و تحقیق اور اسلامیات سے اس درجہ ان کی دلچسپی سے بہت متاثر ہوا اور ان کے لیے دل سے بے ساختہ دعائیں نکلیں، اس گفتگو میں زیادہ حصہ میاں اسلم نے لیا تھا اور وہ غائبانہ برہان اور میری کتابوں کے ذریعہ مجھ سے پہلے سے نہ صرف واقف بلکہ متاثر بھی تھے، وطن لوٹنے کے بعد اگرچہ دو تین خط ڈار صاحب کے بھی آئے، لیکن میاں اسلم نے مستقل خط و کتابت شروع کر دی، جو خط آتا تھا علمی ہوتا تھا، ان کو مقالہ نگاری کا ذوق اس زمانہ میں تھا چنانچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خط کے ساتھ عموماً کسی اخبار کا تراشہ ہوتا جس میں ان کا مقالہ ہوتا تھا۔ اس طرح تعلق بڑھتے بڑھتے اتنا بڑھ گیا کہ گویا میں ان کے خاندان کا ایک فرد بن گیا اور اس لیے بعض گھریلو معاملات میں بھی مجھ سے مشورہ کرنے لگے، یہاں تک کہ وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے ([illegible]ء) میں انگلینڈ گئے، یہ تو اس میں ایک حد تک دخل میرا بھی ہے اور وہ اس طرح کہ جب انھوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے فرسٹ ڈویژن میں ایم۔ اے (تاریخ) کر لیا تو فی زمانہ ہر باپ کی خواہش کے مطابق ان کے والد ماجد چودھری محمد طفیل صاحب مرحوم کو اصرار تھا کہ وہ پاکستان سول سروس کے امتحان مقابلہ میں شریک ہوں —— اور اگر وہ ایسا کرتے تو یقیناً اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوتے —— لیکن اسلم کا ذوق فطری طور پر خالص علمی اور تحقیقی تھا، اس لیے سخت کشمکش میں تھے کہ کیا کریں، آخر انھوں نے مجھے خط لکھا اور مشورہ طلب کیا، میں نے جواب میں ایک طویل اور پر زور خط لکھا جس میں میں نے یہ ثابت کیا کہ یہ صرف نظر کا پھیر اور آنکھ کا دھوکا ہے، ورنہ درحقیقت اعلیٰ سرکاری عہدوں اور مناصب کی چمک دمک عارضی اور جلد معدوم ہو جانے والی ہے اور اس کے برعکس علم و تحقیق میں عمر صرف کرنے سے انسان کو بقائے دوام حاصل ہوتا ہے' اس کے بعد میں نے لکھا کہ ایک شخص ترقی اسی چیز میں کر سکتا ہے جس کی طرف اس کا میلان فطری اور حقیقی ہو، کسی شے کی مصنوعی چمک دمک سے مرعوب ہو کر غیر فطری طور پر اس کے پیچھے دوڑنے سے زندگی بنتی نہیں بگڑتی ہے" آسودگی نہیں ملتی اور پریشانیاں بڑھ جاتی ہیں" خدا کی شان! اسلم نے یہ خط والد صاحب کو دکھا دیا، وہ اسے پڑھ کر اس درجہ متاثر ہوئے کہ انھوں نے اپنا خیال بدل دیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو انگلینڈ بھیجنے کا ارادہ کر لیا۔

انگلینڈ پہنچنے کے بعد بھی خط و کتابت کا سلسلہ باقاعدگی کے ساتھ برابر جاری رہا اور وہ برابر اور میری کتابوں کا مطالعہ اہتمام سے کرتے رہے، لیکن کلکتہ کی ملاقات کے دس برس بعد دوسری ملاقات ان سے لندن میں ہوئی اور وہ بھی عجیب ڈرامائی انداز میں' ہوا یہ کہ اپنا ٹرم پورا کرنے کے بعد جب مئی [illegible]ء میں کناڈا سے واپسی میں میں نے لندن میں ایک ہفتہ گزارنے

© rasailojaraid.com

کا ارادہ کیا تو میاں اسلم کو اطلاع دی کہ میں فلاں تاریخ کو لندن پہنچوں گا، مگر یہ نہیں بتا سکتا کہ قیام کہاں کروں گا، ایک عزیز کو لکھا ہے، وہ انتظام کریں گے، میں معینہ تاریخ پر لندن پہنچا اور ایک مکان میں مہمان ہو کر مقیم ہو گیا، دوسرے دن ناشتہ سے فارغ ہو کر برٹش میوزیم گیا۔ اس کا ایک حصہ (wing) خوب اچھی طرح دیکھتے دیکھتے جب تھک گیا تو سستانے کی غرض سے باہر ایک بنچ پر آ کر بیٹھ گیا، ابھی بیٹھے ہوئے نصف گھنٹہ بھی نہیں ہوا ہو گا کہ اچانک اسلم آ گئے، بڑی خوشی ہوئی، میں نے پوچھا: مگر تمھیں خبر کیسے ہوئی کہ میں یہاں ہوں، بولے: مجھ کو آپ کے ذوق کا علم ہے، اس کی وجہ سے مجھے یقین تھا کہ لندن پہنچ کر آپ پہلا کام یہ کریں گے کہ برٹش میوزیم آئیں گے، چنانچہ الحمد للہ میرا قیاس صحیح نکلا، پھر انھوں نے بتایا کہ جب میں کیمبرج سے روانہ ہو رہا تھا تو ایک پروفیسر مل گئے، انھوں نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو، میں نے کہا: لندن" انھوں نے کہا: کیوں؟ میں نے جواب دیا: سعید احمد اکبرآبادی آئے ہوئے ہیں، ان سے ملنے"

وہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟

"مجھے معلوم نہیں"

آپ بھی خوب آدمی ہیں، لندن جیسے شہر میں آپ کو جائے قیام کا علم نہیں اور آپ جا رہے ہیں ملنے یہ ایک ہی رہی۔

مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ زمین دوز ریلوے (Sub way) کے ذریعہ میں فلاں جگہ پہنچوں گا اور اس کے بعد آدھے گھنٹہ کے اندر اندر اکبرآبادی کو پا لوں گا۔

پروفیسر نے ایک حیرت آمیز قہقہہ لگایا اور کہا: اچھا! اگر آپ اس میں کامیاب ہو جائیں تو آ کر ذرا بتا مجھے بھی دیجیے،

یہ تعلق بڑھتا رہا یہاں تک کہ میرے گھر کے چشم و چراغ بن گئے۔ [illegible]:

[illegible] جنود مجندۃ کا یعنی عالم ارواح میں جو روحیں ایک دوسرے سے قریب اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرتبط ہوتی ہیں وہ عالم اجسام میں بھی اسی طرح رہتی ہیں، میاں اسلم سے تعلق بڑھتا رہا تو اسی تناسب سے ڈاکٹر صاحب سے قربت میں اضافہ ہوتا رہا۔ چنانچہ آج وہ بھی میرے لیے مثل اعزہ واقربا کے ہیں، اب چار برس کے بعد پھر ملے تو اسی تعلق خاطر کے جوش اور ولولہ کے ساتھ، مختلف مجلسوں میں ان سے بہت سی باتیں ہوئیں، ایک موقع پر انھوں نے زور دے کر کہا: اگر بھٹو گورنمنٹ کچھ دنوں اور رہ جاتی تو جہاں تک سرکاری دفتروں اور محکموں کا تعلق ہے اسلام اور اردو کا خاتمہ تو ہو ہی جاتا۔ حالت یہ ہو گئی تھی کہ مجھ جیسے لوگ قرآن وحدیث کا نام لیتے یا اردو بولتے تھے تو ان کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ آج اللہ کا شکر ہے وہ حالت ختم ہو گئی ہے، دفتروں میں نماز باجماعت ہوتی ہے اور لوگ بے تکلف اردو میں بات چیت کرتے ہیں، انھوں نے مزید کہا: اور باتوں کو سردست چھوڑ دیجیے، انھیں دو چیزوں کو لے لیجیے جو نظریۂ پاکستان کی بنیاد ہیں اس معاملہ میں صدر ضیاء الحق جو کچھ کہتے ہیں دل سے کہتے ہیں، اور ان کے خلوص پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

محترمہ عطیہ اویس کم وبیش نصف صدی قبل عربی زبان وادب کے نامور فاضل الاستاذ خلیل عرب لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ علوم مشرقیہ میں پروفیسر تھے، ان سے جن لوگوں نے فیض اٹھایا وہ آسمان علم وادب پر مہر و ماہ بن کے چمکے، مولانا سید ابوالحسن علی الندوی بھی ان کے شاگرد رہے ہیں، آں محترمہ ان کی صاحبزادی ہیں، اس لیے بعض لوگ انھیں عطیہ خلیل بھی کہتے ہیں، اویس احمد صاحب جو ان کے شوہر ہیں اعلیٰ سول آفیسر تھے، اب ریٹائرڈ ہیں اور ایک خاص طریقہ پر قرآن مجید کا ترجمہ انگریزی میں کر رہے ہیں، عطیہ آج کل کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں استاد ہیں، نہایت ذہین وطباع اور بے تکلف عربی تقریر وتحریر پر قدرت رکھتی ہیں، دسمبر ۸۰ء میں نئی دہلی میں گورنمنٹ آف انڈیا کی سرپرستی میں پندرھویں صدی ہجری تقریبات کے سلسلہ میں جو بین الاقوامی سیمینار ہوا تھا عطیہ اس میں اپنے شوہر کے ساتھ پاکستان مندوب کی حیثیت سے شریک ہوئی تھیں، میری ان سے پہلی ملاقات

© rasailojaraid.com